بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پچھلی کئی اشاعتوں سے ان صفحات میں مسلسل اس امر کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ نئے دستور میں مملکت پاکستان کے لیے اسلامی نقشۂ تعمیر طے ہو جانے کے بعد اب اصل تعمیر کا کام شروع ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں معاشرے کے مختلف عناصر پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان کے کرنے کے جو کام ہیں وہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب ہمیں خاص طور پر اُن لوگوں کو خطاب کرنا ہے جو درحقیقت سنجیدگی کے ساتھ چاہتے ہیں کہ یہ کام ہو۔

انہیں سب سے پہلے جو بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں اسلامی نظام کے لیے خواہش کی کوئی کمی نہیں ہے، اصل کمی آمادگی کی ہے، اور اس سے بھی زیادہ کمی استعداد کی۔ اگر آپ صدا لگائیں کہ کون یہاں اسلامی نظام چاہتا ہے تو ایک عنصر قلیل کو چھوڑ کر ساری قوم پکار اُٹھے گی کہ ہم سب اس کے طالب ہیں۔ لیکن اگر آپ پوچھیں کہ کون اس کے لیے عملاً کچھ کرنے پر آمادہ ہے تو ساری بھیڑ چھٹ جائے گی اور بمشکل سو میں سے پانچ دس آدمی آگے بڑھ کر اس کی حامی بھریں گے۔ پھر اُن آمادگی ظاہر کرنے والوں کا بھی اگر آپ استعداد کے لحاظ سے جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ بیشتر لوگ اُن کم سے کم بنیادی اوصاف سے بھی خالی ہیں جن کا ہونا اس کام کے لیے ناگزیر ہے۔

دوسری بات جس پر نگاہ رکھے بغیر وہ اپنی ذمہ داری کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے، یہ ہے کہ ہماری قوم کے اندر جتنے با اثر عناصر پائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر بگاڑ کے لیے کام کر رہے ہیں، اور جو بگاڑنے میں لگے ہوئے نہیں ہیں وہ سنوارنے کی فکر سے بھی فارغ ہیں۔ اصلاح و تعمیر کے لیے کوشش کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور ان کی قوت کا تناسب بگاڑ کی قوتوں کے مقابلے میں بقدر نمک بھی نہیں ہے۔ اس میں جس کسی کو شک ہو وہ ذرا سارے ملک پر

ایک نگاہ ڈال کر خود دیکھ لے کہ یہاں سیاسی لیڈر، حکومت کے کارفرما اور کارکن، زمیندار، کارخانہ دار، تجار، علماء، اخبار نویس، اور اجتماعی زندگی پر اثر ڈالنے والے دوسرے لوگ زیادہ تر بنانے میں لگے ہوئے ہیں یا بگاڑنے میں۔ اور ہمارے متوسط تعلیم یافتہ طبقے کی عظیم اکثریت کوئی تعمیری فکر و سعی بھی رکھتی ہے یا بس اپنی ذات میں مگن ہے۔

تیسری بات جس سے ان کو غافل نہ رہنا چاہیے یہ ہے کہ موجودہ دور میں اجتماعی زندگی کو بنانے اور بگاڑنے والی سب سے بڑی طاقت حکومت ہے، اور جس جگہ جمہوری نظام رائج ہو وہاں حکومت کے صحیح یا غلط ہونے کا سارا انحصار اس امر پر ہے کہ عوام الناس صحیح آدمیوں کے ہاتھ میں اقتدار سونپتے ہیں یا غلط آدمیوں کے ہاتھ میں۔ اگر وہ غلط آدمیوں کا انتخاب کر کے ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دیں تو تعلیم، قانون، نشر و اشاعت، نظم و نسق، اور تقسیم رزق کی غلط روش بحیثیت مجموعی پوری قومی زندگی کو بگاڑنے کے لیے اتنے بڑے پیمانے پر اور اتنی ہمہ گیر طاقت کے ساتھ کام کرے گی کہ منتشر افراد اور اداروں کی اصلاحی کوششیں اس کے مقابلے میں بے بس ہو کر رہ جائیں گی۔ بخلاف اس کے اگر ان کا انتخاب صحیح ہو تو ملک کے تمام ذرائع و وسائل اصلاح کی راہ میں صرف ہونے لگیں گے اور بگاڑ کی طاقتیں عاجز ہو کر رہ جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ بگاڑ کے لیے کام کرنے والے تمام لوگ کسی دوسرے کام پر اتنی طاقت صرف نہیں کرتے جتنی عوام کو بہکانے پر صرف کرتے ہیں، تاکہ وہ کبھی صحیح انتخاب کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ وہ اس میں اپنی موت دیکھتے ہیں۔ ان سب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جھوٹ اور فریب کے طوفان اٹھا کر، طرح طرح کے مذہبی فتنے کھڑے کر کے، قسم قسم کے جذباتی نعرے لگا کر عام لوگوں کے ذہن کو خوب پراگندہ کر دیں اور پھر دباؤ سے، لالچ سے، اور ہر غیر شریفانہ ہتھکنڈے سے فاسدین و مفسدین کو کامیاب کرائیں۔ یہ بدی کا چکر جب تک چلتا رہے گا اصلاح کی کوئی سعی کارگر نہ ہو سکے گی۔

یہ تینوں حقیقتیں مل جل کر ایک ایسا بھیانک منظر پیش کرتی ہیں کہ ایک موقعہ تو اسے دیکھ کر

آدمی کا دل بیٹھ جاتا ہے اور وہ مایوسی کے ہجوم میں سوچنے لگتا ہے کہ یہاں کچھ بنائے بن بھی سکے گا یا نہیں۔ لیکن ان کے مقابلے میں چند حقیقتیں اور بھی ہیں جنھیں نگاہ میں رکھنے سے یاس کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور امید کی شعاعیں چمکنی شروع ہو جاتی ہیں۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ صرف فاسد عناصر ہی سے بھرا ہوا نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ صالح عناصر بھی موجود ہیں۔ ان کے اندر اصلاح و تعمیر کی صرف خواہش ہی نہیں بلکہ آمادگی و استعداد بھی پائی جاتی ہے، اور اگر اس میں کچھ کمی ہے تو وہ تھوڑی سی توجہ اور سعی سے پیدا کی جاسکتی ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم بحیثیت مجموعی شر پسند نہیں ہے۔ بے علمی اور نادانی کی وجہ سے وہ دھوکا کھا سکتی ہے اور کھاتی رہی ہے، لیکن وہ اس بگاڑ پر راضی نہیں ہے جو دھوکا دینے والوں کے ہاتھوں رونما ہوتا ہے۔ اگر حکمت کے ساتھ منظم اور پیہم سعی کی جائے تو یہاں کی رائے عام کو اصلاح پسند طاقتوں کا مؤید بنانے میں بالآخر کامیابی ہو کر رہے گی۔ مایوسی صرف اُس صورت میں بجا ہو سکتی تھی جب کہ قوم کا سواد اعظم خود اُن خرابیوں کا طالب ہوتا جو معاشرے میں مفسد طاقتوں کے غلبے سے برپا ہو رہی ہیں۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ بگاڑ کے لیے کام کرنے والوں کو سب کچھ میسر ہے مگر دو چیزیں میسر نہیں ہیں۔ ایک سیرت و کردار کی طاقت۔ دوسرے اتحاد و اتفاق۔ جہاں تک ان کی سیرت و کردار کا تعلق ہے، اُس کی حالت شاید دنیا کے تمام مفسد طبقوں سے بدتر ہے۔ اس وجہ سے قوم میں ان کا اخلاقی اثر بالکل ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ ان کے خلاف عام نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ اُن کا انحصار اب صرف مادی وسائل اور سازشی جوڑ توڑ پر رہ گیا ہے، اور یہ ہتھیار زیادہ دیر تک نہیں چل سکتے۔ رہی دوسری چیز تو حقیقت میں یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کے دلوں میں نفاق ڈال کر انہیں آپس میں لڑا دیا ہے۔ خیر کی راہ اب تک بھی اسی شگاف سے نکل رہی ہے، اور آئندہ بھی یہ شگاف جتنا وسیع ہوتا جائے گا خیر کا راستہ بھی کشادہ ہوتا چلا جائے گا۔ خدانخواستہ اگر یہ لوگ متحد رہتے تو خلق خدا جی نہیں سکتی تھی۔

آخری اور سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ اقامتِ دین کا کام اللہ تعالیٰ کا اپنا کام ہے اور اس کے لیے جو لوگ بھی کوشش کریں ان کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اخلاص اور صبر کے ساتھ کام کریں اور حکمتِ عملی سے غافل نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کم ہو اور ان کے وسائل چاہے کتنے ہی قلیل ہوں، آخرکار اللہ کی تائید ہر کسر پوری کر دیتی ہے۔

مایوس کن ظاہر کے پیچھے امید کا یہ سروسامان ہے جو ڈھارس بندھاتا ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں دارالاسلام بنانے کے لیے کام کرنا محض ممکن ہی نہیں ہے بلکہ اس کا فائز المرام ہونا بھی متوقع ہے۔ البتہ ضرورت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی اس قوم میں اصلاح و تعمیر کی حقیقی خواہش رکھنے والے موجود ہیں وہ آرزوؤں اور تمناؤں کی منزل سے نکل کر کچھ کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور ان طریقوں سے کام کریں جو سنت اللہ کے مطابق کامیابی کے لیے مقرر ہیں۔ سنت اللہ یہ نہیں ہے کہ آپ بس خرابیوں پر بیٹھے تنقید ہی کرتے رہیں اور وہ محض آپ کی باتوں سے دُور ہو جائیں۔ سنت اللہ یہ بھی نہیں ہے کہ آپ اسلامی نظام کے لیے صرف دعائیں مانگا کریں اور آسمان سے فرشتے آکر آپ کے لیے اسے قائم کر دیں۔ جنگل کا ایک کانٹا اور راستے کا ایک روڑا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا جب تک آپ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں، پھر بھلا معاشرے میں مدتوں کی رچی اور بسی ہوئی خرابیاں محض زبان کے جھاگ اڑانے سے کیسے رفع ہو جائیں گی۔ گیہوں کا ایک دانہ بھی کسان کی عرق ریزی کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، پھر کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ معاشرے اور ریاست میں خیرات وحسنات کی کھیتی بس دعاؤں اور تمناؤں سے لہلہانے لگے گی۔ تنقیدیں کارگر ہوتی ہیں، مگر اس وقت جب کہ ان کی پشت پر کوئی سعی و عمل بھی ہو۔ دعائیں بر آتی ہیں، مگر اس وقت جب کہ عالمِ اسباب میں ہم اپنے کرنے کا کام پورا کر دیں اور پھر اس کے بارآور ہونے کے لیے اللہ سے دعا مانگیں۔ فرشتے بلاشبہ اترتے ہیں مگر خود لڑنے کے لیے نہیں بلکہ اُن اہلِ حق کی مدد کے لیے اترتے ہیں جو خدا کی راہ میں جانیں لڑا رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی یہ نہیں کیا کہ براہِ راست اپنی تکوینی مداخلت سے کسی بگڑے ہوئے

انسانی نظام کو خود ٹھیک کر دیا ہو اور کسی فاسد معاشرے کو اپنی طرف سے صالح بنا ڈالا ہو۔ جس معاشرے کے افراد اور گروہ بگاڑ کے کام میں لگے ہوئے ہوں اور بناؤ کی خواہش رکھنے والے بناؤ کے لیے عملاً کچھ نہ کریں، اُس کے لیے اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ اُس کو اُسی انجام کی طرف لے جاتا ہے جس کی طرف وہ خود دوڑ رہا ہے۔ اُس کی نظرِ کرم تو صرف اُس معاشرے کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس کے اندر برائی کے مقابلے میں بھلائی کو قبول کرنے کا رُجحان موجود ہو اور بُرائی پھیلانے والوں کے مقابلے میں بھلائی قائم کرنے کے لیے ایک عنصرِ صالح عملاً کشمکش اور مجاہدہ کر رہا ہو۔ بلکہ اس کے ہاں ہر کشمکش بھی، جو دین کے نام پر محض لکد کوب کی نوعیت رکھتی ہو پھل ہونے کی مستحق نہیں ہوتی وہ منظم ہونی چاہیے، باقاعدہ ہونی چاہیے، صبر و استقلال کے ساتھ ہونی چاہیے، حکمت و دانش اور قواعدِ فطرت کے مطابق ہونی چاہیے، اور سب سے زیادہ یہ کہ نیت کے لحاظ سے خالص اور اخلاق کے لحاظ سے ستھری اور پاکیزہ ہونی چاہیے۔ ایک کمزوری بھی اگر کسی جگہ اس میں رہ جائے تو خدا کا بے لاگ قانون ایسا ہے کہ وہ اُس کا نقصان سامنے لا کر رکھ دیتا ہے حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین رہنمائی میں صحابۂ کرام جیسے صالح ترین لوگوں کی جو جماعت اعلائے کلمۃ الحق کے لیے انتہائی مخلصانہ جدوجہد کر رہی تھی اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اُحد اور حُنین میں بعض کمزوریوں کا نتیجہ دکھانے سے معاف نہیں رکھا۔ اس کے بعد کون یہ امید کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اس کی خاطر سنت اللہ میں بال برابر بھی ترمیم کر دی جائے گی۔

پس جو لوگ بھی عمل کے لیے کوئی آمادگی اپنے اندر رکھتے ہیں انہیں غلط توقعات اور بے جا امیدوں کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے اس کام اور اس کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیے، پھر خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ انہیں یہ کام کرنا ہے یا صرف بگاڑ پر نوحہ خوانی کرنے اور بناؤ کی آرزوئیں دل میں پالنے پر قناعت کرنی ہے۔ عمل کا فیصلہ جسے بھی کرنا ہو جوش میں آ کر نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ وقتی جوش میں یہ طاقت تو ضرور ہے کہ آدمی اٹھے اور سینے پر گولی کھا کر جان دے دے

لیکن اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ آدمی کو چار دن بھی کسی ایک برائی سے اجتناب یا ایک بھلائی کے التزام پر قائم رکھ سکے، کجا کہ اس کے بل بوتے پر کوئی شخص عمر بھر ایک مقصد کے پیچھے لگاتار محنت کرتا چلا جائے۔ تعمیری کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا سوچا سمجھا فیصلہ یہ ہو کہ انہیں اپنی عمر عزیز اسی کام میں کھپانی ہے۔

آمادگیٔ عمل کے بعد لوگ بالعموم لائحۂ عمل کے سوال پر آجاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اچھا، ہم نے کام کا فیصلہ کر لیا، اب بتاؤ کہ وہ پروگرام کیا ہے جس پر ہم کام کریں۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ فیصلۂ عمل اور لائحۂ عمل کے درمیان مدارِ کار خود عامل کی ذات ہے جس کو نظر انداز کر کے کام اور پروگرام کی باتیں شروع کر دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ ہر پروگرام کو ہر طرح کے آدمی عمل میں لا سکتے ہیں، اور یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ عمل کے لیے صرف ارادۂ عمل کافی ہے جس کے بعد بس ایک لائحۂ عمل ہی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر ہمارے ہاں بڑے بڑے کام شروع ہوئے اور آخر کار نتیجۂ مطلوب تک پہنچنے میں ناکام ہو کر رہ گئے۔ اصل چیز اسکیم اور پروگرام نہیں بلکہ اس کے چلانے والے لوگ ہیں۔ ان کے اوصاف — ایک ایک فرد کے ذاتی اوصاف بھی اور سب کے اجتماعی اوصاف بھی — وہ اصل طاقت ہیں جو اس امر کا فیصلہ کرتے ہیں کہ اس اسکیم اور پروگرام کو کامیاب ہونا ہے یا ناکام۔ ان کی ہر کمزوری نتائج پر اثر انداز ہوتی ہے اور ہر خوبی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ وہ عمدہ اوصاف کے مالک ہوں تو ایک غلط اسکیم اور برے لائحۂ عمل کو بھی ایک دفعہ تو اس طرح چلا کر دکھا دیتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر ان کی صلاحیت ناقص ہو تو بہتر سے بہتر کام بھی بگڑ جاتا ہے، حتیٰ کہ دنیا کو خود اس کام کی صحت میں بھی شک ہو جاتا ہے جسے عمل میں لانے کے لیے نا اہل لوگ میسر آئے ہوں۔ لہٰذا ہم کو تعمیر و اصلاح کی عملی تجاویز پر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے جو لوگ آگے بڑھیں انہیں کن صلاحیتوں سے آراستہ، کن اوصاف سے متصف، اور کن عیوب سے پاک ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ اس طرح کے آدمیوں کی

تیاری کے ذرائع کیا ہیں۔

آئندہ صحبتوں میں ہم اس مضمون کو حسب ذیل ترتیب کے ساتھ بیان کریں گے:

(۱) وہ اوصاف جو اس مقصد کے لیے کام کرنے والے ہر فرد میں بذات خود ہونے چاہئیں۔

(۲) وہ اوصاف جو ان کے اندر من حیث الجماعت ہونے چاہئیں۔

(۳) وہ اوصاف جو دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ خلق میں کامیاب ہونے کے لیے درکار ہیں۔

(۴) وہ بڑی بڑی برائیاں جن سے ان کو فرداً فرداً اور من حیث الجماعت پاک ہونا چاہیے۔

(۵) وہ تدابیر جن سے مطلوبہ اوصاف کے نشوونما اور نامحمود اوصاف سے افراد اور جماعت کے تزکیے میں مدد لی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد ہم تفصیل کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ معاشرے کو اسلامی نظام کے لیے تیار کرنے کی عملی تدبیریں کیا ہیں اور ان کو عمل میں لانے کے لیے ان لوگوں کو کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔

مگر اس ترتیب سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسی ترتیب کے ساتھ ان لوگوں کو پہلے ایک مدت دراز اپنی تعمیرِ ذات میں صرف کرنی ہوگی، پھر کہیں تعمیرِ معاشرہ کی نوبت آئے گی۔ دراصل یہ دونوں کام ایک ساتھ کرنے کے ہیں، اور جب بھی یہ ہوتے ہیں ایک ہی ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کا تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ اعتباری ہے۔ کام سے پہلے کام کرنے والوں کے اوصاف اور ان کی تیاری کے ذرائع بیان کرنے کا مدعا یہ ہے کہ جو بھی اس کام کے لیے آگے بڑھے وہ اس مرقع کو اپنے سامنے رکھ لے۔ یہ سمجھ کر آئے کہ اسے یہ کچھ بننا ہے اور اس تیاری میں اِن ذرائع سے مدد لینی ہے۔ مگر کام اسے اوّل روز ہی سے شروع کردینا ہوگا اور مردِ کار بننے کی تیاری ساتھ ساتھ کرنی ہوگی۔ کام خود اس تیاری کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کام کے بغیر محض تیاری کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ جس طرح پانی میں اترے بغیر محض خشکی میں ہاتھ پاؤں مارتے رہنے سے کوئی شخص تیراک نہیں بن سکتا اسی طرح میدانِ کار میں اترے بغیر کوئی تیاری بھی آدمی کو مردِ کار نہیں بنا سکتی۔